کتاب	:	حدود آرڈیننس: کتاب و سنت کی روشنی میں
مؤلف	:	ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
ناشر	:	عورت پبلیکیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن
سال اشاعت	:	طبع اول: نومبر۲۰۰۴ء
صفحات	:	۲۵۶
قیمت	:	درج نہیں
تبصرہ نگار	:	ڈاکٹر محمد طاہر منصوری ☆

حدود آرڈیننس کے حوالے سے ملک میں گزشتہ کچھ عرصے سے سیاسی، سماجی اور علمی حلقوں میں ایک بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک حلقے کا خیال ہے کہ حدود آرڈیننس شرعی و الہامی قوانین ہیں جن کا انکار اور مخالفت اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی خدائی احکام کی مخالفت ہے۔ اس طبقے کے خیال میں حدود قوانین میں تبدیلی مسلم معاشرے کو مغربی اور سیکولر معاشرے میں تبدیل کرنے کی کوشش ہوگی۔ دوسرے طبقے کا خیال ہے کہ حدود آرڈیننس الہامی قانون کی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ قوانین شریعت کی انسانی تعبیر ہے جس میں غلطی اور خطا کا احتمال موجود ہے۔ اس طبقے کی رائے میں حدود آرڈیننس میں متعدد خامیاں اور سقم موجود ہیں جو شریعت کی حقیقی روح اور فلسفے کو مجروح کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔ کیاحدود آرڈیننس قرآن وسنت پر مبنی قانون ہے کہ اس کا دفاع ایک دینی و شرعی فریضہ قرار پائے؟ یا اس کی حیثیت محض انسانی کاوش کی ہے کہ جس پر تنقید کی جاسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب متعدد دانشوروں اور اہل علم نے دیا ہے۔

گزشتہ چند برسوں میں حدود آرڈیننس کی موافقت اور مخالفت میں متعدد کتب منظر عام پر آئی ہیں۔ تاہم ان کی غالب اکثریت کا رنگ پروپیگنڈے اور بحث و مناظرے کا ہے۔ ان میں عموما ایک جذباتی، جانبدارانہ اور مناظرانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ علوم اسلامی کے مشہور محقق اور دانشور جناب ڈاکٹر طفیل ہاشمی صاحب کی کتاب ''حدود آرڈیننس: کتاب و سنت کی روشنی میں'' اس لحاظ سے ایک منفرد علمی کاوش ہے کہ اس میں انہوں نے ایک ٹھوس، علمی، اور معروضی انداز میں زیر بحث مسئلے کا

☆　ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

DMHL

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　http://iri.iiu.edu.pk/

مطالعہ کیا ہے۔

یہ مطالعہ قرآن وسنت اور فقہ کے بنیادی مأخذ پر مبنی ہے جس نے اسکی علمی وقعت اور استنادی حیثیت(Authenticity) کو بڑھا دیا ہے۔ انہوں نے خالص علمی، اسلامی، تحقیقی اور قانونی حوالوں سے ان قوانین کا جائزہ لیا ہے۔ اور انکے اندر پائے جانے والے سقم کی نشاندہی کی ہے۔ فاضل مصنف نے حدود کے مفہوم، حدود آرڈیننس اور اسلامی قوانین حدود میں فرق، حدود میں توبہ کے کردار ،زنابالجبر، سزائے رجم، عورت کی گواہی، فوجداری مسؤلیت (Criminal Liability) کی عمر، غیر مسلموں پر قوانین حدود کے نفاذ جیسے موضوعات پر بہت ہی فکر انگیز گفتگو کی ہے۔ ذیل میں انکی فاضلانہ تالیف میں زیر بحث موضوعات کا مختصراً تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ حدود کا مفہوم

فاضل مصنف کی رائے میں ’’حدٗ‘‘ جرم کی وہ زیادہ سے زیادہ سزا ہے جس سے زائد سزا دینے کا کسی کو اختیار نہیں۔ چنانچہ عدلیہ کو مجرم کی حالت کے پیش نظر سزا کی کمیّت اور تخفیف کا اختیار ہے۔(ص۱۳) مصنف کے پیش کردہ اس مفہوم کے برعکس فقہاء کرام نے ’’حدٗ‘‘ کا جو تصور دیا ہے۔ اس کی رو سے یہ شارع کی طرف سے (کمیّت و کیفیت کے اعتبار سے) ایک معین سزا ہے۔ اس کی مقدار کا تعین خود شارع نے کیا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ اسلاف نے ’’حدٗ‘‘ کو اسی مفہوم میں لیا ہے۔ اگر مصنف کا موقف اختیار کیا جائے تو جرم زنا میں عدلیہ سو کوڑوں کی بجائے بطور حد دس کوڑوں کی سزا دے سکے گی۔ سوال یہ ہے کہ حد زنا میں دس کوڑے کیا شارع کی منشا اور شریعت کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں؟

مصنف کا یہ بھی خیال ہے کہ حدود عادی مجرموں کے لیے ہیں، اتفاقی مجرموں کے لیے نہیں(ص ۲۳) اس سے یہ مفہوم اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک یا دو دفعہ بدکاری کا ارتکاب کیا تو اس پر حد زنا جاری نہیں ہوگی۔ کیا اس طرح کا طرزعمل زنا، قذف، چوری اور دیگر جرائم حدود کی حوصلہ افزائی کا باعث نہیں بنے گا؟ عادی اور اتفاقی مجرم کے درمیان فرق کیسے کیا جاسکے گا؟ کسی جرم کے کتنی دفعہ ارتکاب سے ایک شخص اتفاقی سے عادی مجرم میں تبدیل ہوگا؟ ہمارے خیال میں مذکورہ موقف بہت سی قانونی پیچیدگیوں کو جنم دینے کا باعث بن سکتا ہے۔

۲۔ اسقاط حد میں توبہ کا کردار

مصنف کا حدود آرڈیننس پر ایک اعتراض یہ ہے کہ اس میں توبہ کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ انکی رائے میں اگر کوئی شخص زنا یا چوری کے بعد عدالت میں توبہ کر لیتا ہے اور اپنے چال چلن کی درستی کا یقین دلاتا ہے تو ایسے شخص سے حد ساقط ہو جانی چاہیے۔ ہمارے خیال میں اس طرح تو حدود کبھی بھی نافذ نہیں ہوسکیں گی اور حدود کے اجراء کا پورا نظام معطل ہو کے رہ جائے گا۔ اگر عدالت کو یہ قانونی حق دلایا جائے کہ وہ توبہ قبول کرکے حد کو ساقط کر دے تو عدالتیں اور خود مجرم اس کا کتنا غلط استعمال کریں گے۔ کیا کوئی شخص تصور کرسکتا ہے کہ ایک شخص کو عدالت سو کوڑے لگانے یا سنگسار کرنے کی سزا سنائے اور وہ توبہ نہ کرے۔ ہمارے خیال میں عدالت کے سامنے ایک دفعہ معاملہ آنے کے بعد عدالت کے پاس حد جاری کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے طرز عمل سے جو ہمیں سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ نے غامدیہ کی توبہ کے باوجود اس پر حد جاری فرمائی تھی۔ توبہ بندے کی خدا کی طرف انابت اور اپنے گناہ کی بخشش کی طلب ہے۔ اس کا حد کے اجراء یا عدم اجراء سے کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ سزائے رجم

شادی شدہ مرد و عورت کے لیے حدود آرڈیننس میں رجم کی جو سزا مقرر کی گئی ہے اسکے بارے میں ڈاکٹر ہاشمی صاحب کا خیال ہے کہ یہ قرآنی سزا نہیں ہے۔ قرآن میں ہر طرح کے زانی مرد و عورت کے لیے چا ہے وہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے، سو کوڑوں کی سزا کی مقرر کی گئی ہے۔ انکی رائے میں رجم حرابہ اور فسادفی الارض کی سزا ہے، رجم کی سزا عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفائے راشدین میں رائج تھی۔ یہ ان لوگوں کو دی جاتی تھی جو حرابہ کا ارتکاب کرتے تھے خواہ وہ زنا (بالجبر) کی شکل میں ہو یا کسی کی جان اور مال کے خلاف بھیانک جرم کے ارتکاب کی صورت میں ہو (صفحہ۱۳۶)۔

کیا رجم محصن بدکار کے لیے حد ہے؟ اس مسئلے پر دور حاضر میں بہت تفصیل سے گفتگو ہوئی ہے۔ ماضی قریب میں مولانا امین اصلاحی مرحوم اس موقف کے علم بردار رہے ہیں کہ رجم حد نہیں۔ وفاقی شرعی عدالت اس مسئلے پر دو مختلف فیصلے دے چکی ہے۔

۴۔ زنا بالجبر حرابہ ہے

جناب ہاشمی صاحب نے آرڈیننس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ اس میں زنا بالجبر کو عام زنا کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے لیے سزا اور مطلوبہ معیار ثبوت وہی رکھا ہے جو عام زنا کے لیے ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ زنا بالرضا اور زنا بالجبر کے درمیان کئی جوہری فرق موجود ہیں جنکی بنا پر زنالجبر کو زنا کی قسم کے طور پر پیش کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ ہاشمی صاحب نے دونوں کے درمیان جو فرق پایا جاتا ہے اس کی بہت موثر انداز میں نشاندہی کی ہے۔ انکی رائے میں:

۱۔ زنا بالرضا میں خالصتاً اللہ کا حق پا مال ہوتا ہے جب کہ زنا بالجبر میں اللہ کے حق کے ساتھ بندوں کا حق بھی پامال ہوتا ہے۔

۲۔ زنا بالرضا باہمی رضا مندی کا فعل ہے جب کہ زنا بالجبر میں مجرم شخص عورت کی ذات، عزت اور شرف کو زبردستی ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

۳۔ زنا بالرضا میں دو طرفہ آزادنہ رضا مندی کا عنصر ہوتا ہے جب کہ زنا بالجبر کے ارتکاب میں زبردستی، جبر اور تشدد کا عنصر شامل ہو جاتا ہے، جس سے جرم کی نوعیت کلیتاً تبدیل ہو جاتی ہے۔ زنا بالجبر دراصل دو جرائم کا مجموعہ ہے۔

ا: اللہ کے قانون کے خلاف کھلم کھلا بغاوت

ب: فرد کی آزادی، ذات، عزت اور شرف کو نقصان پہنچاتے ہوئے فساد فی الارض کا ارتکاب۔
(ص ۱۴۵)

اس فرق کے پیش نظر قدیم فقہی لٹریچر میں زنا بالجبر عام زنا کی ایک قسم کے طور پر نظر نہیں آتا۔ قدیم فقہاء اور مفسرین اسے حرابہ کی ایک شکل قرار دیتے ہیں۔ معاصر فقہ اور قانون میں اس کے لیے ''اغتصاب'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

زنا بالجبر کو عام زنا کی ایک شکل قرار دینے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ثبوت زنا کے بعد اسے زنا بالجبر ثابت کرنا مظلوم خاتون کی ذمہ داری ٹھہرتا ہے جسکی وجہ سے مظلوم کی دار رسی کے بجائے الٹا اسی کو مجرم قرار دے کر سزا دلوانے کا عمل شروع ہو جاتا ہے (صفحہ ۱۴۹)۔ لہٰذا ضروری ہے کہ زنا بالجبر کو زنا سے الگ ایک مستقل جرم قرار دیا جائے اور اسکے ثبوت کے لیے وہ شرائط نہ رکھی جائیں جو زنا کے لیے ہیں۔ ہاشمی صاحب کا یہ موقف درست ہے کہ زنا بالجبر کے ثبوت کے لیے قرائن اور واقعاتی

شہادت کا بھی سہارا لیا جاسکتا ہے۔

۵۔ خواتین کی گواہی

ڈاکٹر طفیل ہاشمی صاحب نے خواتین کی گواہی پر گفتگو کرتے ہوئے ایک بہت ہی اہم نکتہ اٹھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی طے شدہ معاہدے پر باقاعدہ گواہ ہونے اور کسی اتفاقی حادثے کے اچانک گواہ ہوجانے میں فرق ہے۔ معاہدے کے لیے معاہدہ کار ہمیشہ اپنی پسند کے افراد کو گواہ بناتے ہیں، جب کہ حادثاتی گواہوں کو منتخب کرنے میں کسی کو اختیار نہیں ہوتا۔ قرآن کی جس آیت سے استشھاد کیا جاتا ہے کہ صرف مالی معاملات میں عورتیں گواہ ہوسکتی ہیں۔ اس کا متعلق قصدا گواہ بنانے سے ہے۔ اتفاقا گواہ بن جانے سے نہیں ہے۔(ص ۱۶۲) اس دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے ہاشمی صاحب کہتے ہیں کہ جہاں اتفاقی طور پر کسی خاتون کے گواہ ہونے کی صورت پیدا ہو وہاں پر اس کی گواہی رد نہیں کی جائے گی۔ تاہم ان کا خیال ہے کہ عام حالات میں زنا کے معاملے میں عورت گواہی سے مستثنیٰ ہے۔ اس کی وجہ ان کی رائے میں یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو عزت و احترام کا مقام دیا ہے اور زنا کے ثبوت کے لیے جس نوعیت کے سوالات اور جرح ہوتی ہے، ایسی گفتگو کسی عورت سے کرنا شائستگی اور احترام نسوانیت کے منافی ہے۔ (ص ۱۶۶)

حدود میں عورت کی گواہی انکے نزدیک عموما قابل قبول ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”کتاب و سنت میں کہیں بھی حدود میں عورت کی گواہی کو ناقابل اعتبار قرار نہیں دیا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت پوری تحقیق و تفتیش کے بعد کتاب وسنت سے کوئی ایک بھی ایسا حکم پیش نہیں کر پائی جس کی رو سے حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہو۔ اسلامی فقہی لٹریچر میں عورتوں کی گواہی قبول نہ کرنے کے بارے میں درج اقوال فقہاء اور قضاۃ کی ذاتی آراء ہیں جنکی کتاب و سنت کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں۔ عورتوں کی گواہی کو ناقابل اعتبار قرار دینا کتاب وسنت کے خلاف ہے“۔ (ص ۲۵۲)

حدود میں عورت کی گواہی کے حوالے سے معاصر فقہ میں مختلف آراء ہیں۔ مصر کے نامور فقیہ شیخ محمد الغزالی اور پاکستان کے معروف اسلامی اسکالر ڈاکٹر محمود احمد غازی حدود میں عورت کی گواہی کے حامی ہیں۔

۶۔ قذف کی تعریف اور دائرہ کار

حد قذف آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں قذف کی جو تعریف کی گئی ہے۔ مصنف کے خیال میں

فقہی تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔ مثلا اس میں یہ کہا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی کو ضرر پہنچانے کی نیّت سے اگر کوئی ایسا اقدام کرے گا جو اس شخص کی شہرت کو نقصان پہنچائے گا یا اسکے جذبات کو مجروح کرے گا تو وہ قذف کا مرتکب کہلائے گا۔

اس کے برعکس فقہائے کرام کی تعریف قذف کی رو سے کوئی بھی شخص کسی پاکدامن فرد پر زنا کا الزام عائد کرتا ہے یا اسکے معلوم نسب کا انکار کرتا ہے تو وہ قذف کا مرتکب ہے خواہ وہ نیک نیتی سے ہی ایسا کرے۔ فاضل مصنف کی رائے میں آرڈیننس میں ''ضرر پہنچانے کی نیت سے'' کے الفاظ بے محل اور غیر ضروری ہیں۔ کوئی گناہ چاہے حسن نیت سے ہی کیوں نہ کیا جائے، معصیت کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا۔ قذف کے دائرہ نفاذ کے حوالے سے جناب ہاشمی صاحب کا خیال ہے کہ اس کا اطلاق غیر مسلموں پر بھی ہونا چاہیے اور اس کے ذریعے غیر مسلم خواتین کے ناموس کو تحفظ دیا جانا چاہیے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں اور صحابہ کرام کے نکاح میں آنے والی غیر مسلم خواتین کے ناموس کو اسلامی قانون تحفظ نہیں دے گا تو کیا ان خواتین کے بچوں کو اگر انکی والدہ کے حوالے سے قذف کیا جائے تو اسلامی قانون حدود خاموش تماشائی بنا رہے گا؟ (ص ۲۰۳)

غیر مسلموں کی گواہی کے حوالے سے انہیں آرڈیننس کی دفعات ۸،ب،۶۵،ج پر اعتراض ہے جس میں زنا اور قذف میں بالغ مسلمان مرد کی گواہی کی شرط رکھی گئی ہے۔ ان کی رائے میں قذف میں گواہی کی قبولیت کے لیے دین، عقیدے یا جنس کی قید لگانا کتاب وسنت کے مطابق درست نہیں، بلکہ اس کا دارومدار عدالت کے اعتماد اور عدم اعتماد پر ہے۔ (ص ۲۱۴)

۷۔ حدود آرڈیننس اور عائلی قانون کے مابین ربط وتعلق کا فقدان

جناب ہاشمی صاحب نے حدود آرڈیننس کی ایک سنگین خرابی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کے خیال میں حدود آرڈیننس کی تشکیل کے وقت اسکے شارعین نے دوسرے قوانین کے ساتھ اسکے ربط وتعلق کا لحاظ نہیں رکھا، جسکی وجہ سے قوانین میں تضادات پیدا ہوگئے ہیں۔ قانونی نظام کا یہ اندرونی تضاد خواتین کے لیے گوناگوں مشکلات اور مسائل کا باعث بنا ہے۔

مثال کے طور پر اگر ایک خاتون کو اسکے شوہر نے مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تقاضے پورے کئے بغیر زبانی طلاق دی اس قانون کی رو سے وہ بدستور پہلے شوہر کی بیوی سمجھی جائے گی۔ اب اگر وہ شرعی طریقے سے کسی اور شخص سے نکاح کرتی ہے تب بھی ملکی قانون کی رو سے وہ پہلے شوہر کی منکوحہ ہے اور حدود آرڈیننس کے حوالے سے دوسرے مرد کے ساتھ اس کے تعلقات غیر قانونی ہیں۔ ہمارے

خیال میں ہاشمی صاحب کا تجزیہ صائب ہے۔ قانون کے اس اندرونی تضاد کو دور ہونا چاہیے۔

مذکورہ امور کے علاوہ آرڈیننس کے اور بھی کئی قابل اعتراض مقامات کی انہوں نے نشاندہی کی ہے اور ان میں اصلاحات تجویز کی ہیں۔ مثال کے طور:

۱۔ حد زنا مسلمانوں کا پرسنل لاء ہے۔ اسکے مخاطب مسلمان ہیں نہ کہ کافر۔ اس لیے کسی غیر مسلم پر حد زنا نافذ نہیں کی جاسکتی۔ (ص ۷۷)

۲۔ شراب نوشی کی مقدار کا تعلق تعزیر سے ہے نہ کہ حد سے۔ یہ امر مقنّنہ اور عدلیہ کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔ (ص ۲۴۳)

۳۔ حد زنا آرڈیننس کی دفعہ ۴ میں قصداً جماع (Willfully) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا اردو مفہوم ''کوئی اعتراض کیئے بغیر'' بنتا ہے۔ اس لفظ کو "Consensually" ''اپنی آزادانہ رضامندی سے'' سے تبدیل کیا جائے۔ اس سے معاشرے کی پسی ہوئی ان خواتین کو تحفظ مل سکے گا جو حالات سے مجبور ہو کر کسی مرد کی ناجائز خواہش کی مزاحمت نہیں کر سکتیں اور نتیجۃً مرد کے ساتھ برابر کی شریک جرم قرار پاتی ہیں۔ (ص ۹۵) ہمارے خیال میں یہ تجویز بہت مناسب ہے تاہم یہ ایک دو دھاری تلوار بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خواتین اسکا غلط استعمال کریں۔ مثال کے طور پر ہر وہ عورت جو کسی افسر کی ماتحت ہو یا کسی کمپنی میں ملازمت کرتی ہو، اور اسے ہر وقت اپنے روزگار کے چھن جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہو، ایسی عورت اپنے آپ کو اپنے مرد افسر یا آجر کے حوالے اپنی مرضی (Consensually) سے کر کے بڑی خوبصورتی سے Willfully کی رعایت لے کر بریٔ الذمہ ہو سکتی ہے۔

۴۔ ہاشمی صاحب کی رائے میں خواتین کو جیلوں میں رکھنا قرآن کی خلاف ورزی ہے ۔ قرآن کی رو سے انہی گھروں میں محبوس کیا جائے جہاں ان کی عزت و عصمت کے تحفظ کے مسائل پیدا نہ ہوں۔ نیز میاں بیوی کو چار ماہ سے زائد ایک دوسرے سے الگ رکھنا بھی قرآن حکیم کے حکم کی مخالفت ہے۔ (ص ۱۴۲)

۵۔ چوری کے حد جاری کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مجرم نہ صرف بالغ ہو بلکہ مالی معاملات میں مناسب سمجھ بوجھ (رشد) کا بھی مالک ہو۔

اسی طرح کی بھی اور بہت سی اہم اصلاحات اور ترمیمات کتاب میں تجویز کی گئی ہیں۔ مجموعی طور پر ''حدود آرڈیننس: کتاب و سنت کی روشنی میں'' ایک بہت وقیع علمی کاوش ہے۔ یہ حدود آرڈیننس پر ایک بھر پور اور جاندار تبصرہ ہے۔ ایک مؤثر انداز بیان اور محکم قوت استدلال کی بنا پر یہ

کتاب معاصر فقہی لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ مصنف کے نتائج فکر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حدود آرڈیننس کی مخالفت میں یہ ایک انتہائی فاضلانہ کتاب ہے جو غیر جذباتی اور ٹھوس علمی انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس میں وہ سطحیت، تعصب اور جذباتیت نہیں ملتی جو بدقسمتی سے حقوق انسانی اور آزادی نسواں کی تنظیموں کی مطبوعات میں عموماً نظر آتی ہے۔ عورت فاؤنڈیشن مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے ایک معروضی علمی مباحثے کی طرح ڈالی ہے۔ یہ دیگر خواتین تنظیموں کے لیے بھی ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔ عورت فاؤنڈیشن کی اس مایہ ناز تالیف نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ انسانی حقوق اور آزادی نسواں کی تنظیمیں اپنی بات معقول طریقے سے اور غیر جذباتی انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ امید ہے ہاشمی صاحب کی یہ کتاب اسلام کے فوجداری قانون اور بالخصوص حدود آرڈیننس سے دلچسپی رکھنے والے طلباء اور محققین کے لیے ایک مستند حوالہ ثابت ہوگی۔

کتاب : اشاریہ، ماہنامہ الرَّشَاد، اعظم گڑھ (۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۲ء)
مرتب : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
ناشر : ندوۃ التالیف و الترجمۃ، جامعۃ الرشاد، رشاد نگر، اعظم گڑھ، یوپی-انڈیا
سال اشاعت : ۲۰۰۴ء
صفحات : ۲۳۲
قیمت : ۱۵۰ روپے
تبصرہ نگار : محمد سجاد☆

برصغیر کی علمی تاریخ میں اُردو کے ممتاز دینی رسائل و جرائدنے قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح، دینی شعور کی بیداری، اسلامی فکر کی تشکیل جدید، اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کی فکر آبیاری کے حوالے سے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ''الہلال'' میں اسلام اور عالم اسلام کی خوبصورت زبان میں ترجمانی کی۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ نے اپنے مدیران کی سنجیدہ علمی، ادبی اور تاریخی مضامین و مقالات کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے نامور اہل قلم حضرات کی تحریروں سے مستفید فرمایا۔ بلاشبہ علوم اسلامیہ کا یہ ایک عظیم وضخیم انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ماہنامہ ''برہان اور الفرقان'' کے ٹھوس علمی مضامین نے ایک نام پیدا کیا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے ہفت روزہ ''سچ''، صدق اور صدق جدید'' میں اسلام اور عالم اسلام کے موضوعات پر اپنے مخصوص ادبی اسلوب میں اظہارِ خیال کیا۔ ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' میں سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے قرآنی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے عصر جدید میں دین اسلام کی حقانیت اور اقامت دین کے لیے ایک واضح لائحہ عمل کی نشاندہی فرمائی۔ الغرض ان رسائل و جرائد نے اسلامی علوم و فنون، عالم اسلام کے مسائل وسائل اور تذکرہ سوانح کے حوالے سے مستند، ٹھوس علمی و تحقیقی مضامین و مقالات کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے جس کی نظیر اسلامی دنیا میں ملنی مشکل ہے۔

انہی رسائل میں سے ایک رسالہ ماہنامہ ''الرَّشَاد'' اعظم گڑھ بھی ہے جو گزشتہ چوبیس سالوں میں مسلسل اشاعت پذیر ہے اور جو علمی و تحقیقی مقالات و مضامین کے حوالے سے برصغیر پاک و ہند

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و تہذیب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کے نمایاں علمی رسائل میں شمار ہوتا ہے۔

ماہنامہ ''الرَّشَادُ'' کے فاضل مدیر مولانا مجیب اللہ ندوی عالم اسلام کی ایک نامور علمی شخصیت ہیں۔ مولانا ندوۃ العلماء کے فاضل اور دارالمصنفین کے تربیت یافتہ ہیں۔ جہاں علامہ سیّد سلیمان ندوی سے کسب فیض کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی زبان و بیان اور انشاء پردازی میں دبستان شبلی کا رنگ نمایاں ہے۔ مولانا نے اعظم گڑھ میں جامعۃ الرشاد کی بنیاد رکھی اور ۱۹۸۱ء میں اسی ادارہ کے ترجمان کے طور پر ماہنامہ ''الرَّشَادُ'' کا اجراء کیا۔ ماہنامہ ''الرَّشَادُ'' کی ضرورت اور کام کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''اس ہوش ربا گرانی کے زمانہ میں کسی نئے پرچہ کا نکالنا اور جاری رکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے مگر کسی ادارہ کے مقاصد، عزائم اور ان کے کاموں کی پوری نوعیت کو دوسروں کو سمجھانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ خود ادارہ کا ایک آرگن ہو، اس وقت مسلمانوں کے اندر جماعتی، مسلکی، طبقاتی، سیاسی عصبیتیں اتنی زیادہ بڑھ گئی ہیں کہ کسی کو اپنے حلقے کے باہر کوئی خوبی نظر نہیں آتی اور ان کے رسالے، پرچے، اخبارات سب اس کا شکار ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یا ادارہ ان کے ذہنی سانچے اور بنائے ہوئے طریقہ کار سے ہٹ کر کوئی دینی، شرعی یا علمی بات خواہ کتنی ہی حقیقت پسندانہ ہو، کہنا چاہے تو مشکل ہی سے اس کی کوئی بات وہ لوگ سن سکتے ہیں اور ان کے پرچے اسے چھاپ سکتے ہیں۔ اسی صورت حال سے مجبور ہو کر باوجود خسارہ کے پرچہ نکالا جا رہا ہے کہ اگر دین و اخلاق یا ملک و ملت کے سلسلہ میں اعتدال و توازن اور اتفاق و اتحاد کی کوئی بات کہنی ہو تو اس کے لیے کوئی دائرہ اثر خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، ہونا ضروری ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی چھوٹے سے دائرہ کے ذریعہ امت کے اندر اعتدال و توازن اور اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا کوئی معمولی سے معمولی کام لینے کی توفیق عطا فرمائے''۔ (رشحات فروری ۱۹۸۸ء ص ۵-۶)

گزشتہ ربع صدی کے دوران ماہنامہ ''الرَّشَادُ'' نے اُردو کے علمی، تحقیقی، تاریخی و ادبی ذخیرے کو گراں قدر تحریروں سے مالامال کیا ہے۔ ماہنامہ ''الرَّشَادُ'' اپنے علمی دینی و فقہی مضامین و مقالات کی وجہ سے اہل علم اور ارباب دانش کی نگاہ میں قابل قدر اور لائق اعتناء ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں برصغیر کے نامور محدث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے بعض اہم مضامین اور مکاتیب شائع ہوئے۔ ان کے علاوہ ہندوستان و پاکستان کے دوسرے نامور اہل قلم، علماء اور دانشوروں کی تحریریں بھی شائع ہوئیں۔ ماہنامہ

''الرَّشَاد'' کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا اور اب تک مسلسل اشاعت پذیر ہے۔ زیرِ نظر اشاریہ ۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۲ء کی اشاعتوں پر مشتمل ہے جسے فاضل محقق اور معروف مصنف جناب ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب نے بڑے محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔

کتابیات اور اشاریہ حوالہ جاتی خدمات کی اہم شاخ ہے۔ آج کل سب سے زیادہ اہمیت رسائل کے اشاریہ کو دی جا رہی ہے۔ پھر اشاریہ سازی ایک مستقل فن ہے۔ انگریزی اور دنیا کی دوسری زبانوں میں یہ کام بہت پہلے شروع ہوا جبکہ اُردو زبان میں اس کی روایت کچھ زیادہ قدیم نہیں تاہم اُردو زبان کے معروف دینی رسائل و جرائد مثلاً معارف اعظم گڑھ، برہان دہلی، اسلام اور عصر جدید دہلی، ترجمان القرآن لاہور، اورئنٹل کالج میگزین لاہور، نقوش لاہور، فکرونظر اسلام آباد، ضیائے حرم بھیرہ، رحیق لاہور، الرحیم حیدرآباد، اسلام اور عیسائیت اسلام آباد، نقطہ نظر اسلام آباد، محدث لاہور، تحقیقات اسلامی علی گڑھ، ہفت روزہ سچ، صدق لکھنو، وغیرہ کے اشاریے شائع ہو گئے ہیں۔ اشاریہ سازی کے عموماً تین طریقے مروج ہیں۔ بہ لحاظ عنوان، بہ لحاظ موضوع اور بہ لحاظ مصنف اور ان تینوں طریقہ ترتیب میں حروف تہجی کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔

اس نقطہ نظر سے زیرِ تبصرہ اشاریہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک جدید انداز میں معیاری اشاریہ ہے، جس میں ان تینوں طریقوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ فاضل مرتب نے اشاریہ ''الرَّشَاد'' کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ مضامین و مقالات پر مشتمل ہے، جبکہ دوسرا حصہ میں تعارف و تبصرہ کتب کا اشاریہ ہے۔ تبصرہ کتب کی فہرست پہلے عنوانات پھر مصنفین اور مبصرین کے لحاظ سے دی گئی ہے۔ دونوں حصوں میں ماہ و سال اور صفحات کے نمبروں کا اندراج ہے۔

اشاریہ سازی میں موضوعات کی معیاری حد بندی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ زیرِ نظر اشاریہ میں بھی فاضل مرتب نے علوم اسلامیہ سے متعلق تمام اہم موضوعات کے عنوانات بشمول ادیان و مذاہب، قرآن وتفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، عقائد و عبادات، تصوف وغیرہ پر قائم کیے ہیں تاہم سیرت طیبہ کے حوالے سے کوئی عنوان قائم نہیں کیا گیا۔ حالانکہ سیرت طیبہ کے حوالے سے کئی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ مولانا مجیب اللہ ندوی نے ''رشحات'' میں ملی و عالمی مسائل کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل پر بھی کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ مثلاً دینی مدارس، ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل و مشکلات، مسلم پرسنل لاء پر مسلسل اظہار خیال کرتے رہے۔ ان ''رشحات'' کو بھی مناسب عنوانات کے تحت درج کر دیا جاتا ہے تو اشاریہ کی قدر و قیمت دوچند ہو جاتی ہے۔ ماہنامہ ''الرشاد''

میں برصغیر پاک و ہند کے نامور اہل قلم کے مکاتیب بھی شائع ہوئے ہیں۔ انہیں بھی الگ عنوان سے درج کیا جانا چاہیے تھا۔ ماہنامہ ''الرَّشاد'' میں شائع شدہ بہت سے مقالات پہلے سہ ماہی منہاج لاہور میں شائع ہوئے۔ اگر فاضل مرتب اس کی بھی حواشی میں وضاحت کر دیتے تو بہتر ہوتا۔ تاہم ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی مبارک باد کی مستحق ہے جنہوں نے ماہنامہ الرَّشاد کے صفحات میں بند اس علمی خزانہ سے اہل علم و دانش کو متعارف کروایا تاکہ اب وہ آسانی سے اس سے مستفید ہوسکیں۔